صلح حدیبیہ عہد نبوی کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار

ڈاکٹر بشیر احمد رند
اسسٹنٹ پروفیسر سندھ یونیورسٹی، جامشورو

ایک کامیاب سیاستدان اور فاتح سپہ سالار وہ نہیں جو صرف میدان جنگ میں دشمن کو شکستِ فاش سے دوچار کرے، بلکہ درحقیقت اصل کامیاب سیاستدان اور فاتح سپہ سالار وہ ہے جو میدانِ مکالمہ میں ایسی شرائط منوا کر اور مان کر صلح کرے، جس کے بعد کامیابیوں اور فتوحات کے راستے ہموار ہو جائیں اور تھوڑے ہی عرصے میں اس صلح کے ثمرات ملک، قوم اور ملت بلکہ آنے والی نسلوں تک پہنچیں، کیونکہ بسا اوقات میدانِ جنگ میں فتح پانے والے میدانِ مکالمہ میں ایسی مات کھا جاتے ہیں کہ صدیوں تک ان کی فوج اور قوم سنبھالے نہیں سنبھل سکتی، پستی، ذلت، رسوائی اور شکست اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے اور میدانِ جنگ میں فتح ان کے لئے کوئی قابلِ فخر بات نہیں رہتی، اس لئے جس بیدار مغزی، دوراندیشی اور چستی کی ضرورت میدانِ جنگ میں ہوتی ہے، اس سے کہیں بڑھ کر میدانِ مکالمہ میں بیدار مغزی، دوراندیشی اور چستی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی تناظر میں ہم صلح حدیبیہ کی شرائط کا مطالعہ کریں گے، کیونکہ بظاہر صلح حدیبیہ کی شرائط میں آپ ﷺ اور ان کے صحابہ کرامؓ کی شکست اور اہلِ مکہ کی فتح نظر آتی ہے اور ایسے لگتا ہے کہ مسلمانوں نے دب کر سخت اور کڑی شرائط پر صلح کی، لیکن نتائجِ مابعد بالکل اس کے برعکس نظر آتے ہیں، اس لئے ہمیں دیکھنا ہے کہ اس صلح کا کیا پس منظر تھا؟ اور وہ کیا وجوہات اور مصلحتیں تھیں جن کو سامنے رکھ کر آپ ﷺ نے یہ صلح کی؟ اور آپ ﷺ نے کس بیدار مغزی اور دوراندیشی کا ثبوت دیا؟ اور مستقبل قریب میں آپ ﷺ کی سیاستِ خارجہ اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پر اس صلح کے کیا فوائد، نتائج اور اثرات مرتب ہوئے؟۔

صلح حدیبیہ کا پس منظر

صلح حدیبیہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اس کا کچھ پس منظر جاننا ضروری ہے:

''سن چھ ہجری اسلامی تاریخ اور ریاستِ مدینہ کا ایک اہم سال تھا۔ مدنی ریاست تین اہم دشمن قوتوں کے درمیان واقع تھی، شمال میں خیبر وغیرہ یہودی قوت کے مرکز تھے، شمال مشرق میں فزارہ وغطفان کے قبائل خیبر والوں کے حلیف تھے اور ان کی مسلمانوں سے بنتی نہ تھی اور جب بھی انہیں موقع ملتا مسلمانوں کی بستی پر تاخت کے درپے رہتے۔ جنوب میں مشرکینِ مکہ اور ان کے حلیف تھے، جو سب کے سب غم وغصے سے بے قرار اور مسلمانوں کے خلاف خار کھائے بیٹھے تھے اور سابقہ ناکامیوں کی جلن الگ تھی۔ آثار یہ نظر آرہے تھے کہ خیبر میں جا بسے ہوئے (جلاوطنانِ مدینہ یعنی) بنونضیر کی کوششیں رنگ لائیں گی اور یہود، غطفان اور قریش یہ سہ گانہ قوت مدینہ پر ہلہ بول دے گی، جس کی مدافعت مسلمانوں کے لئے آسان نہ تھی اور ایک ہی وقت میں تینوں قوتوں کے ساتھ لڑنا مسلمانوں کے لئے مشکل تھا۔ اگر مسلمان مکہ جاتے تو خطرہ تھا کہ اہل خیبر اور ان کے حلفاء مدینہ پر چڑھ نہ دوڑیں اور اگر مسلمان خیبر جائیں تو اہل مکہ اپنے حلفاء سمیت مدینہ آکر اسے لوٹ نہ لیں، کیونکہ مدینہ بیچوں بیچ واقع ہے۔ خیبر اس کے شمال میں کوئی پانچ منزل کی مسافت پر واقع ہے، تو مکہ اس کے جنوب میں بارہ منزل پر ہے۔ ان حالات میں سیاستدانی کا اقتضاء یہی ہوسکتا ہے کہ ان دشمن قوتوں میں سے کسی ایک سے صلح کر کے دوسرے کے مقابلہ میں اس کو دوست، ورنہ کم ازکم طرفدار بنادیا جائے اور جب ایک سے فراغت ہوتو دوسرا خود ہی ہتھیار ڈال دے گا، پھر اسے سرزوری کی جرأت نہ ہوگی، لیکن سوال یہ تھا کہ صلح مکہ والوں سے کی جائے یا خیبر والوں سے؟۔

چونکہ خیبر کے حلیف ومعاون یعنی فزارہ وغطفان محض لوٹ مار کے شائق اور بالکل بے اصول خانہ بدوش عرب تھے۔ جبکہ یہود تمدنی اور نسلی وجود سے عربوں سے الگ تھے، ان کو اپنی جلاوطنی اور جائداد کے لٹنے کا داغ تھا، جو جائداد کی واپسی کے بغیر مٹ نہ سکتا تھا، سرمایہ داری کی وجہ سے کوئی معمولی فائدہ ان کو مطمئن نہ کرسکتا تھا اور نہ ہی ان کی بات پر کوئی اعتماد کیا جاسکتا تھا، بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ خیبر کا مالدار مرکز نسبۃً ایک غیر جنگجو قوم کے قبضے میں ہونے سے آسان تر مالِ غنیمت تھا، جبکہ دوسری طرف مکہ مسلمانوں کے لئے بہت سی رعایتوں کا متقاضی تھا، مسلمان مہاجرین سب ہی مکی تھے، اور اہل مکہ سب ان کے رشتہ دار تھے، کعبہ مسلمانوں کی نماز کا قبلہ اور حج کی منزل مقصود تھا، اہل مکہ کی تباہی سے زیادہ ان کا اسلام زیادہ مفید ہوسکتا تھا، کیونکہ قریش کے معاشی اور تمدنی تعلقات تمام عرب سے تھے اور ان کی صلاحیتیں پورے عرب میں سب سے زیادہ تھیں، کیونکہ ان میں بات کا پاس تھا، وہ دُھن کے پکے تھے، قومی مفاد کے لئے تن، من، دھن سے لگ جاتے تھے، طبیعت مہمات پسند تھی، ادبی ذوق اور انتظامِ ملک کی قابلیت وملکہ بھی عام بدویوں کے مقابلے میں ان میں کہیں بڑھا ہوا تھا اور حالات سے یہ بھی ظاہر ہورہا تھا کہ اہل مکہ مسلمانوں کے معاشی دباؤ کے باعث اب واقعی صلح پر آمادہ ہوچکے تھے اور صرف لاج

رکھنے کے لئے کسی اچھی شرط کے منتظر تھے۔ان حالات میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے یہ سوچا کہ اگر حج کے مہینوں میں مکہ جائیں اور ارادہ طواف کعبہ اور قربانی وعمرہ کے لئے ہو اور قریش کو منہ مانگی شرطیں پیش کردی جائیں تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ صلح پر آمادہ ہو جائیں''۔(۱)

دریں اثناء رسول کریم ﷺ کو مدینہ کے اندر یہ خواب بھی دکھلایا گیا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ مسجد حرام میں داخل ہوئے، آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کی کنجی لی اور صحابہ کرامؓ سمیت بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا، پھر کچھ لوگوں نے سر کے بال منڈائے اور کچھ نے کٹوانے پر اکتفا کیا۔آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اس خواب کی اطلاع دی تو انہیں بڑی مسرت ہوئی اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اس سال مکہ میں داخلہ نصیب ہوگا۔(۲)

مکہ کی جانب مسلمانوں کی روانگی اور اہل مکہ کی جانب سے روکنے کی کوشش

مدینہ طیبہ میں قابلِ کار مسلمان تین ہزار کے قریب تھے۔(۳) آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ پر نمیلہ بن عبداللہ لیثیؓ کو عامل مقرر کیا۔(۴) اور چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر ذی قعدہ کے شروع میں خاموشی کے ساتھ مکہ کی جانب روانہ ہوئے، قربانی کے جانور ساتھ تھے، ارادہ محض مسالمانہ تھا، اس لئے جنگی ہتھیار تک نہیں تھے، سوائے تلواروں کے جو نیاموں میں تھیں۔ایک جاسوس جو حالات معلوم کرنے کے لئے پیشگی بھیج دیا گیا تھا، اس نے آکر اثناء راہ میں اطلاع دی کہ قریش کو پتہ چل چکا ہے اور مقابلے کی تیاریاں کررہے ہیں اور حلیف قبائل کو بھی جمع کررہے ہیں اور خالد بن ولید دوسو سواروں کے ساتھ کراع الغمیم تک پہنچ چکے ہیں۔آپ ﷺ خالد سے کترا کر داہنی طرف دشوار گذار راستہ اختیار کرکے حدیبیہ تک پہنچ گئے، جو مکہ سے ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور وہاں قیام کیا(۵)

سفارتی سرگرمیاں اور بیعتِ رضوان

حدیبیہ آتے ہی سفارتی سرگرمیاں شروع ہوگئیں، قریش کے نمائندے اور کارندے آآکر مقصد معلوم کرنے لگے۔آخر رسول اکرم ﷺ نے اپنے داماد حضرت عثمانؓ کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ مختارِ کل کی حیثیت سے گفت وشنید کریں۔(۶) اور انہیں یہ بات سمجھائیں کہ ہم محض عمرہ کی نیت سے بیت اللہ کی تعظیم کے لئے آئے ہیں، ہمارا جنگ کا کوئی ارادہ نہیں۔حضرت عثمانؓ نے آپ ﷺ کا پیغام اہلِ مکہ تک پہنچادیا۔اور اہلِ مکہ نے حضرت عثمانؓ کو اس مقصد کے لئے روکے رکھا کہ باہم مشورہ کرکے حضرت عثمانؓ کو ان کے لائے ہوئے پیغام کا جواب دیں، ادھر مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو اہل مکہ نے شہید کردیا، جب آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے انتقام اور اہلِ مکہ سے معرکہ آرائی کرنے پر صحابہ کرامؓ سے بیعت لی، کسی نے موت پر تو کسی نے میدان چھوڑ کر نہ بھاگنے پر

بیعت کی، اسی بیعت کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں (۷) اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ''لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ'' (۸) یعنی اللہ تعالیٰ مؤمنین سے راضی ہوا جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے''۔

صلح اور دفعاتِ صلح

بہر حال قریش نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کر لی، لہذا جھٹ سہیل بن عمرو کو معاملاتِ صلح طے کرنے کے لئے روانہ کیا اور تاکید کر دی کہ صلح میں لازماً یہ بات طے کی جائے کہ آپ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں، ایسا نہ ہو کہ عرب یہ کہیں کہ آپ ﷺ ہمارے شہر میں جبراً داخل ہو گئے اور ہم کچھ نہ کر سکے اور ہماری رسوائی ہو (۹) ان ہدایات کو لے کر سہیل بن عمرو آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، کچھ گفت وشنید کے بعد صلح کے دفعات یہ طے پائے:

۱......رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے بغیر واپس جائیں گے، اگلے سال مسلمان مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے، ان کے ساتھ سوار کا ہتھیار ہوگا، یعنی میانوں میں تلواریں ہوں گی اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا۔

۲......دس سال تک فریقین جنگ بند رکھیں گے، اس عرصے میں لوگ مامون رہیں گے، کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

۳......قبائل عرب میں سے جو محمد ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکے گا اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکے گا، جو قبیلہ جس فریق میں شامل ہوگا وہ اس فریق کا ایک جزو سمجھا جائے گا، لہذا ایسے کسی قبیلے پر زیادتی ہوئی تو خود اس فریق پر زیادتی متصور ہوگی (اس دفعہ کے مطابق بنوخزاعہ نبی کریم ﷺ کے حلیف بنے اور بنوبکر نے قریش کے حلیف بننے کا اعلان کیا)۔

۴......قریش کا جو آدمی اپنے سر پرست کی اجازت کے بغیر، یعنی بھاگ کر محمد ﷺ کے پاس جائے گا، محمد ﷺ اسے واپس کریں گے، لیکن محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو شخص (پناہ کی غرض سے بھاگ کر) قریش کے پاس آئے گا قریش اسے واپس نہ کریں گے۔ (۱۰)

سفیرِ مکہ کا کچھ باتوں پر اڑنا اور آپ ﷺ کا اس کی باتوں کو مان لینا

معاہدہ تحریر کئے جانے کے دوران اہل مکہ کے سفیر سہیل بن عمرو کچھ باتوں پر اڑتے رہے، لیکن آپ ﷺ ان باتوں کو معمولی نوعیت کی سمجھ کر اہل مکہ کے سفیر کی باتوں کو مانتے رہے، مثلاً: "بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم" پر سہیل نے اعتراض کیا کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے، اس لئے عرب کے دستور کے مطابق ''باسمک اللّٰھم'' لکھو، آپ ﷺ نے مان لیا، کیونکہ اس میں کوئی شرک یا بت پرستی کی بات نہیں

تھی۔ جب آپ ﷺ نے یہ لکھوایا کہ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے مابین طے پایا تو سہیل نے لفظ ''رسول اللہ'' پر اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو رسول مانتے تو جھگڑا کس چیز پر؟ اس لئے ''رسول اللہ'' کا لفظ کاٹ دو، آپ ﷺ نے کاٹ دیا، کیونکہ اس میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہیں تھا۔ اسی اثناء میں سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندلؓ جو مسلمان ہو چکے تھے اور باپ نے اسے قید کر رکھا تھا، وہ بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے مسلمانوں کے پاس پہنچے کہ مجھے مشرکین کی قید سے چھڑا کر اپنے ساتھ لے چلو، لیکن جب سہیل نے اسے واپس کئے بغیر صلح سے انکار کر لیا تو آپ ﷺ نے ابو جندلؓ کو یہ تسلی دے کر واپس کر دیا کہ آپ تھوڑا اور صبر کریں، اللہ آپ کے لئے خلاصی کی راہ نکال لے گا۔ (۱۱)

اسی دوران قریش کے پر جوش اور جنگ باز ۷۰-۸۰ کے قریب نوجوانوں نے صلح کی کوشش کو سبوتاژ کرنے کے لئے مسلمانوں میں گھس کر ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کی، لیکن آپ ﷺ کے جانبازوں نے انہیں گرفتار کر لیا، مگر آپ ﷺ نے صلح کی خاطر انہیں معاف کر دیا اور چھوڑ دیا۔ (۱۲) اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

''وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ'' (۱۳)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے بطنِ مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے، اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دے چکا تھا''۔

اس معاہدہ کی دفعات کا حاصل

اس معاہدے (جسے اہل مکہ اپنی فتح اور عام مسلمان اپنی شکست سمجھ رہے تھے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ جیسے دقیقہ رس مدبر بھی اپنی بے چینی چھپا نہ سکے) کے مندرجات پر جب بنظرِ غائر دیکھا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فتح اور دوسری فتوحات کے لئے پیش خیمہ تھا۔ جو شخص بھی اس کی دفعات کا ان کے پس منظر سمیت جائزہ لے گا، اسے کوئی شبہ نہ رہے گا کہ یہ مسلمانوں کی فتح مبین اور نصر عزیز تھی اور رسول اللہ ﷺ کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار تھا۔

دفعہ نمبر ۱:

اس کے مطابق اگرچہ اہل مکہ مسلمانوں کو اس سال مسجد حرام سے روکنے میں کامیاب رہے، لیکن حقیقت میں یہ دفعہ اس پابندی کے خاتمے کا اعلان تھا جو قریش نے مسلمانوں پر مسجد حرام میں داخلے سے متعلق عائد کر رکھی تھی، مگر ظاہر ہے کہ یہ وقتی اور بے حیثیت فائدہ تھا۔ (۱۴)

دفعہ نمبر۲:

(جس کے مطابق دس سال تک جنگ بندی کا اعلان تھا) یہ پیر تو مسلمان خود چاہتے تھے کہ قریش مسلمانوں سے صلح کرلیں اور مسلمانوں کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیں۔ یہ دفعہ درحقیقت مسلمانوں کی قوت کو تسلیم کرنا تھا، کیونکہ قریش نے اب تک مسلمانوں کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا اور انہیں نیست ونابود کرنے کا تہیہ کئے بیٹھے تھے، انہیں انتظار تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ قوت دم توڑ دے گی۔ اس کے علاوہ قریش جزیرۃ العرب کے دینی پیشوا اور دنیاوی صدر نشین ہونے کی حیثیت سے اسلامی دعوت اور عام لوگوں کے درمیان پوری قوت کے ساتھ حائل رہنے کے لئے کوشاں رہتے تھے، اس پس منظر میں دیکھئے تو صلح کی جانب محض جھک جانا ہی مسلمانوں کی قوت کا اعتراف اور اس بات کا اعلان تھا کہ اب قریش اس قوت کو کچلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (۱۵)

دفعہ نمبر۳:

(جس میں عرب قبائل کو یہ آزادی دی گئی تھی کہ وہ محمد ﷺ اور قریش میں سے جس کے حلیف بننا چاہیں بن سکتے ہیں) اس کے پیچھے صاف طور پر نفسیاتی کیفیت کارفرما نظر آتی ہے کہ قریش کو دنیاوی صدر نشینی اور دینی پیشوائی کا جو منصب حاصل تھا اسے انہوں نے بالکل بھلا دیا تھا اور اب انہیں صرف اپنی پڑی تھی، ان کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ بقیہ لوگوں کا کیا بنتا ہے، یعنی اگر سارہ جزیرۃ العرب حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائے تو قریش کو اس کی کوئی پروا نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کی مداخلت نہ کریں گے۔ اس دفعہ پر غور کیا جائے تو درحقیقت قریش کے عزائم اور مقاصد کے لحاظ سے یہ ان کی شکستِ فاش اور مسلمانوں کی فتح مبین کا برملا اظہار تھا۔ آخر اہل اسلام اور اعداء اسلام کے درمیان جو خونریز جنگیں پیش آئی تھیں، ان کا منشاء اور مقصد اس کے سوا کیا تھا کہ عقیدے اور دین کے بارے میں لوگوں کو مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل ہو جائے، یعنی اہل اسلام یہ چاہتے تھے کہ اپنی آزاد مرضی سے جو شخص چاہے مسلمان ہو اور جو چاہے کافر رہے، کوئی طاقت ان کی مرضی اور ارادے کے سامنے روڑا بن کر کھڑی نہ ہو۔ مسلمانوں کا یہ مقصد تو ہرگز نہ تھا کہ دشمن کے مال ضبط کئے جائیں، انہیں موت کے گھاٹ اتارا جائے اور انہیں زبردستی مسلمان بنایا جائے، یعنی مسلمانوں کا مقصد صرف وہی تھا جسے علامہ اقبالؒ نے یوں بیان کیا ہے:

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی (۱۶)

دفعہ نمبر ۴:

اس دفعہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو مذکورہ تین رعایتیں دے کر صرف ایک رعایت حاصل کی، جو اس دفعہ میں مذکور ہے، لیکن یہ رعایت حد درجہ معمولی اور بے وقعت تھی اور اس میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ تھا، کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب تک مسلمان مسلمان رہے گا اللہ، رسول اور مدینۃ الاسلام سے بھاگ نہیں سکتا، اس کے بھاگنے کی صرف ایک صورت ہوسکتی تھی کہ وہ مرتد ہوجائے، خواہ ظاہراً، خواہ درپردہ اور ظاہر ہے کہ جب مرتد ہوجائے تو مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں، بلکہ اسلامی معاشرے میں اس کی موجودگی سے کہیں بہتر ہے کہ وہ الگ ہوجائے اور یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا تھا: ''**انہ من ذھب منا الیھم فابعدہ اللہ**'' (۱۷) یعنی جو ہمیں چھوڑ کر ان مشرکین کی طرف بھاگے (تو درحقیقت) اسے اللہ نے ہم سے دور کردیا''۔ باقی رہے مکے کے باشندے جو مسلمان ہوچکے تھے یا مسلمان ہونے والے تھے تو ان کے لئے اگرچہ اس معاہدے کی رو سے مدینہ میں پناہ گزین ہونے کی گنجائش نہ تھی، لیکن اللہ کی زمین تو بہرحال کشادہ تھی۔ حبشہ کی سرزمین تو پہلے بھی مسلمانوں کے لئے اپنی آغوش میں گھر کرچکی تھی، جب مدینہ کے باشندے اسلام کا نام بھی نہیں جانتے تھے، اسی طرح آج بھی زمین کا کوئی ٹکڑا مسلمانوں کے لئے اپنی آغوش کھول سکتا تھا اور یہی بات تھی جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا: ''**ومن جاء نا منھم سیجعل اللہ فرجاً ومخرجاً**'' (۱۸) ''ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا، اللہ اس کے لئے کشادگی اور نکلنے کی جگہ بنادے گا''۔ پھر اس قسم کے تحفظات سے اگرچہ بظاہر قریش نے عزو وقار حاصل کیا تھا، مگر یہ درحقیقت قریش کی سخت نفسیاتی گھبراہٹ، پریشانی، اعصابی دباؤ اور شکستگی کی علامت ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں اپنے بت پرست سماج کے بارے میں سخت خوف لاحق تھا اور وہ محسوس کررہے تھے کہ ان کا یہ سماجی گھروندا ایک کھائی کے ایسے کھوکھلے اور اندر سے کٹے ہوئے کنارے پر کھڑا ہے جو کسی بھی دم ٹوٹ کر گرنے والا ہے، لہذا اس کی حفاظت کے لئے اس طرح کے تحفظات حاصل کرلینا بہت ضروری ہیں۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے جس فراخدلی کے ساتھ یہ شرط منظور کی (کہ قریش کے یہاں پناہ لینے والے کسی مسلمان کو واپس نہیں طلب کریں گے) وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے سماج کی ثابت قدمی اور پختگی پر پورا اعتماد تھا اور اس قسم کی شرط آپ کے لئے قطعاً کسی اندیشے کا سبب نہ تھی۔ (۱۹)

صلح حدیبیہ کے فوائد، نتائج واثرات

صلح کے بعد تین دن تک آپ ﷺ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا، پھر روانہ ہوئے تو راہ میں یہ سورت اتری: ''اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً'' (۲۰) ''ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عطا کی''۔ تمام مسلمان

جس چیز کو شکست سمجھ رہے تھے، خدا نے اس کو فتح مبین کہا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا: یہ آیت نازل ہوئی ہے، انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ: کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ: ہاں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو تسکین ہوگئی اور مطمئن ہوگئے۔ (۲۱)

علامہ شبلی نعمانیؒ فرماتے ہیں: نتائج مابعد نے اس رازِ سربستہ کی عقدہ کشائی کی، اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے، اب صلح کی وجہ سے آمد و رفت شروع ہوئی، خاندان اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ میں آتے، مہینوں قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے، باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا، اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حسن عمل، نیکوکاری، پاکیزہ اخلاقی کی ایک زندہ تصویر تھا، جو مسلمان مکہ جاتے تھے ان کی صورتیں یہی مناظر پیش کرتی تھیں، اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے۔ اس معاہدہ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے۔ (۲۲) اسی دوران حضرت خالد بن ولیدؓ، عمرو بن عاصؓ اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم مسلمان ہوگئے، جب یہ لوگ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کردیا ہے''۔ (۲۳) امام زہریؒ کا بیان ہے کہ: صلح حدیبیہ جیسی فتح اس سے پہلے اسلام میں حاصل نہیں ہوئی تھی، اس سے پہلے مسلمانوں اور اہل مکہ کی ملاقات لڑائیوں میں ہوتی تھی، لیکن جب صلح ہوئی اور جنگ نے سامان حرب رکھ دیا اور لوگ ایک دوسرے سے مامون ہوگئے تو ایک دوسرے سے ملنے لگے، بات چیت کرنے لگے اور بحث و مباحثہ ہونے لگا، اور جو بھی کچھ ہوش و حواس اور عقل رکھتا تھا، اس نے جب بھی اسلام کے بارے میں گفتگو کی تو وہ مسلمان ہوگیا، پچھلے انیس سالوں میں اتنے لوگ مسلمان نہیں ہوئے جتنے ان دو سالوں (صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک) میں مسلمان ہوئے۔ (۲۴)

صلح حدیبیہ کے فوائد وثمرات کو مختصراً اس طرح سمیٹا جاسکتا ہے:

۱......اس میں پہلی مرتبہ عرب میں اسلامی ریاست کا وجود باقاعدہ تسلیم کیا گیا، اس سے پہلے تک عربوں کی نگاہ میں محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی حیثیت محض قریش اور قبائل عرب کے خلاف خروج کرنے والے ایک گروہ کی تھی اور وہ ان کو برادری سے باہر (Outlaw) سمجھتے تھے، اب خود قریش ہی نے آپ ﷺ سے معاہدہ کرکے سلطنتِ اسلامی کے مقبوضات پر آپ ﷺ کا اقتدار مان لیا اور قبائل عرب کے لئے یہ دروازہ بھی کھول دیا کہ ان دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدات کرلیں۔

۲......مسلمانوں کے لئے زیارتِ بیت اللہ کا حق تسلیم کرکے قریش نے آپ سے آپ گویا یہ بھی مان لیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے، جیسا کہ وہ اب تک کہتے چلے آرہے تھے، بلکہ عرب کے مسلّمہ

ادیان میں سے ایک ہے اور دوسرے عربوں کی طرح اس کے پیرو بھی حج وعمرہ کے مناسک ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں، اس سے اہل عرب کے دلوں کی وہ نفرت کم ہوگئی جو قریش کے پروپیگنڈے سے اسلام کے خلاف پیدا ہوگئی تھی۔

۳......دس سال کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ ہوجانے سے مسلمانوں کو امن میسر آگیا اور انہوں نے عرب کے تمام اطراف ونواح میں پھیل کر اس تیزی سے اسلام کی اشاعت کی کہ صلح حدیبیہ سے پہلے پورے ۱۹ سال میں اتنے آدمی مسلمان نہ ہوئے تھے، جتنے اس کے بعد دو سال کے اندر مسلمان ہوگئے۔ یہ اسی صلح کی برکت تھی کہ یا تو وقت تھا جب حدیبیہ کے موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ صرف ۱۴سو آدمی آئے تھے، یا دو ہی سال کے بعد جب قریش کی عہد شکنی کے نتیجے میں حضور ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کی تو دس ہزار کا لشکر آپ ﷺ کے ہمرکاب تھا۔

۴......قریش کی طرف سے جنگ بندی ہوجانے کے بعد آنحضرت ﷺ کو یہ موقع مل گیا کہ اپنے مقبوضات میں اسلامی حکومت کو اچھی طرح مستحکم کرلیں اور اسلامی قانون کے اجراء سے مسلم معاشرے کو ایک مکمل تہذیب وتمدن بنادیں۔ یہی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی آیت نمبر:۳ میں فرمایا ہے کہ: ''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کردیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے''۔

۵......قریش سے صلح کے بعد جنوب کی طرف سے اطمینان نصیب ہوجانے کا فائدہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں نے شمال عرب اور وسطِ عرب کی تمام مخالف طاقتوں کو بآسانی مسخر کرلیا۔ صلح حدیبیہ پر تین ہی مہینے گذرے تھے کہ یہودیوں کا سب سے بڑا گڑھ خیبر فتح ہوگیا اور اس کے بعد فدک، وادی القریٰ، تیما اور تبوک کی یہودی بستیاں اسلام کے زیرنگیں آتی چلی گئیں، پھر وسط عرب کے تمام قبیلے بھی، جو یہود اور قریش کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھتے تھے، ایک ایک کرکے تابع فرمان ہوگئے۔ اس طرح حدیبیہ کی صلح نے دو ہی سال کے اندر عرب میں قوت کا توازن اتنا بدل دیا کہ قریش اور مشرکین کی طاقت دب کر رہ گئی اور اسلام کا غلبہ یقینی ہوگیا۔ (۲۵)

۶......اور محض تین سال کے مختصر عرصے میں مسلمانوں نے پرامن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نما عرب کو اپنا مطیع بنالیا اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات بالکل خارج کرکے ایک ایسی مستحکم حکومت قائم کردی جو پندرہ ہی سال میں تین براعظموں پر پھیل گئی اور جو اس سے ٹکرایا پاش پاش ہوکر رہ گیا اور جس نے سرِ تسلیم خم کیا، وہ اسلام کی رنگ وزبان سے بالاتر قومیت میں برابری کے حصے کے ساتھ شریک ہوگیا۔ (۲۶)

یہی وہ صلح حدیبیہ ہے، جسے عہدِ نبوی کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار کہنا بے جا نہ ہوگا۔

حوالہ جات وحواشی

۱-ڈاکٹر محمد حمید اللہ: رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت طبع:۷، ۱۹۸۷ء ص:۱۰۰ سے ۱۰۶ کا خلاصہ۔
۲-مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری: الرحیق المختوم، لاہور، المکتبۃ السلفیہ، ۲۰۰۳ء، ص:۴۵۹۔
۳-ڈاکٹر محمد حمید اللہ: رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:۱۰۵۔
۴-ابوالفداء اسماعیل بن کثیر: البدایہ والنہایہ، القاہرہ، مصر طبع اولیٰ:۱۹۹۶ء، ۱۹۶/۴۔
۵-البدایہ والنہایہ ۱۹۷/۴۔ابومحمد عبدالملک ابن ہشام: سیرۃ النبی، لاہور، اسلامی کتب خانہ ۱۰۱/۳۔ الرحیق المختوم، ص:۴۶۱۔
۶-رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:۱۰۶۔
۷-ایضاً، والرحیق المختوم، ص:۴۶۵۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دارالخیر طبع:۲، ۱۹۹۱ء، ۲۰۶/۴۔
۸-سورۂ فتح، آیت:۱۸۔
۹-ابن ہشام: سیرۃ النبی، ۱۰۴/۳۔
۱۰-الرحیق المختوم، ص:۴۶۶۔ البدایہ والنہایہ:۲۰۰/۴۔ ابن ہشام: سیرۃ النبی:۱۰۵/۳۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:۱۰۸۔
۱۱-البدایہ والنہایہ:۲۰۸/۴۔ سیرت ابن ہشام:۱۰۵/۳۔ الرحیق المختوم: ص:۴۶۶-۴۶۷۔
۱۲-الرحیق المختوم: ص:۴۶۶۔
۱۳-سورۂ فتح، آیت:۲۴۔
۱۴-الرحیق المختوم: ص:۴۶۹۔
۱۵-ایضاً۔
۱۶-علامہ اقبال: بال جبریل، لاہور، پروگریسو بکس، ص:۸۶۔
۱۷-ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیریؒ: صحیح مسلم مع شرح النواوی، باب صلح حدیبیہ:۴۷۷/۵۔
۱۸-ایضاً۔
۱۹-الرحیق المختوم، ص:۴۷۱-۴۷۲۔
۲۰-سورۂ فتح آیت:۱
۲۱-صحیح مسلم مع شرح النواوی:۴۷۸/۵
۲۲-علامہ شبلی نعمانی احمدؒ: سیرت النبی، کراچی، دارالاشاعت طبع اول، ۱۹۸۵ء:۲۶۶/۱
۲۳-اس بارے میں سخت اختلاف ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ کس سن میں اسلام لائے۔ اسماء الرجال کی عام کتابوں میں اسے ۸ ہجری کا واقعہ بتایا گیا ہے، لیکن نجاشی کے پاس حضرت عمرو بن عاصؓ کے اسلام لانے کا واقعہ مشہور ہے جو سن ۷ھ کا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور عثمان بن طلحہؓ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب حضرت عمرو بن عاصؓ حبشہ سے واپس آئے تھے، کیونکہ انہوں نے حبشہ سے واپس آکر مدینہ کا قصد کیا تو راستے میں ان دونوں سے ملاقات ہوئی اور تینوں حضرات نے ایک ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی حضرات سن ۷ھ کے اوائل میں مسلمان ہوئے۔(مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری: الرحیق المختوم، ص:۴۷۴)
۲۴-البدایہ والنہایہ:۲۰۲/۴
۲۵-سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفسیر تفہیم القرآن، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، طبع:۴۴، ۲۰۰۰ء، ۴۰/۵-۴۲
۲۶-ڈاکٹر محمد حمید اللہ: رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:۱۰۷۔ تفہیم القرآن:۴۰/۵-۴۲